پاکستانی معاشرہ میں اخلاقی انحطاط کے سیاسی محرکات اور ان کا تدارک

THE POLITICAL FACTORS OF MORAL DECADENCE AND ITS SOLUTION

ڈاکٹر حافظ محمد نعیم* / ڈاکٹر محمد امجد عابد**

Abstract:
Morality and politics have a strong relation. Politics, lacking in the values of Morality, becomes poisonous for the society. Political parties and their leaders exist in all societies of the modern world. Politics has always been integral part of Pakistani Society. Unfortunately it currently lacks the true spirit of Morality. Moral character of political leaders at national level, collectively, is becoming the reason for the moral degeneration of the society. Our political leadership uses the uncivilized language, character assassination and derogatory remarks. These practices are leaving negative effects on the moral attitude of common man, especially on the younger generation. There is a famous saying of Shah Waliullah that "circumstances play important part in the formation of ethics as compare to knowledge". Therefore, the public, especially the youth, imitates the language and character of their leadership. On one hand the contradiction of words and actions and the usage of uncivilized language by the politicians are damaging the democratic values and on the other hand the moral values are being destroyed.That is why it is essential for our national leaders to adopt necessary measures for purifying their ethics and they should present themselves as an ideal character. This paper will highlight those political factors, reasons and motives which play an important role in the moral degeneration of Pakistani society and will also recommend solutions.

Keywords: Ethics, Moral, Political leadership, Pakistan, civilization

عصر جدید میں مسلم معاشروں کو مجموعی طور پر جن تحدیات و مسائل کا سامنا ہے ان میں سے ایک اہم اور بنیادی مسئلہ اخلاقی انحطاط کا ہے۔ اخلاقی انحطاط کے اسباب و محرکات پہ اگر غور کیا جائے تو ان کے فکری و نظریاتی، معاشی و سیاسی، سماجی و معاشرتی بہت سے پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ الحاد، لبرل ازم، سیکولرازم اور ان جیسی دیگر تحریکات و نظریات مسلم معاشروں میں تیزی سے پرورش پا رہے ہیں اور امت مسلمہ اور مسلم معاشروں کی اخلاقی حالت کو بری طرح متاثر کر رہے ہیں۔ دنیا پرستی کا رجحان، قومی و ملی نصب العین کی طرف عدم التفات، نصاب تعلیم میں تربیت و شخصیت سازی کے پہلو کی عدم موجودگی، جدید ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، والدین

* صدر شعبہ، عربی و علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور
** شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

کی طرف سے اولاد کی تربیت میں غفلت ولاپرواہی، علماء دین وواعظین کے کردار اور قول وعمل میں تضاد، دین کا ناقص فہم، عدم استحکام معیشت، بیروزگاری، زوال پذیر خاندانی وعائلی نظام اور سب سے بڑھ کر سیاسی قیادت کی کمزور اخلاقیات وغیرہ ایسے محرکات واسباب ہیں جن کے اثرات بہت منفی اور دوررس ہیں۔ آخر الذکر یعنی پاکستانی سیاسی قیادت اور مجموعی سیاسی کلچر کس طرح سے اخلاقی انحطاط کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ آئندہ سطور میں اس حوالہ سے بحث کی جائے گی۔

اسلام کی نظر میں سیاست وریاست کی ضرورت واہمیت

اسلام اور سیاست کے باہمی تعلق کے حوالہ سے اگر بات کی جائے تو مولانا مودودی (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) نے اس کو بہت عمدگی سے بیان کیا ہے مولانا کے مطابق سیاست کے متعلق قرآن کا نظریہ اس کے اساسی تصور کائنات پر مبنی ہے جس کے مطابق انسانوں کا حقیقی فرماں روا اور حاکم بھی وہی ہے جو کائنات کا حاکم وفرماں روا ہے۔ لہٰذا انسانی معاملات میں حاکمیت کا اختیار وحق بھی اسی کو پہنچتا ہے اور اس کے سوا کوئی انسانی یا غیر انسانی طاقت بذاتِ خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔ صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں بلکہ وہ جماعت اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ہے۔ اس نظام کو چلانے کے لیے جو ریاست قائم ہو گی عوام اس کی صرف اطاعت فی المعروف کے پابند ہوں گے، معصیت میں نہ کوئی اطاعت ہے اور نہ تعاون اور اس ریاست کے نظام کو چلانے کے لیے اولی الامر کا خاص صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔[۱]

قرآن مجید کی نظر میں ریاست وسیاست کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ان الفاظ واصطلاحات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو قرآن مجید میں اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ حکومت اور متعلقات حکومت کے حوالے سے مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

> "قرآن جو حکومت کا سرچشمہ ہے سلطنت کا ضابطہ اور اخلاق وتمدن کا اساسی امین ہے۔ بیس سے زیادہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جن کا تعلق حکومت اور متعلقات حکومت سے ہے۔ قانون وآئین کی اس کتاب مبین میں حکومت کے اقتدار اعلیٰ کے لیے ملکوت کا لفظ موجود ہے۔ ریاست ومملکت کے لیے ارض اور ملک۔ حکومت کے لیے امانت، وراثت، خلافت، امامت، ولایت، امارت، نعمت، عہد، رشد، عزت اور قوت اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے حکومت کی غایت بھی معلوم ہوتی ہے۔ حکومت ومملکت کا ذکر بھی تفصیل سے موجود ہے۔ اس ضمن میں قرآن کے صفحات پر فتح ونصرت، تسخیر، تسلط، غلبہ، تمکین اور استعمار کے الفاظ بھی موجود ہیں۔"[۲]

ریاست کے قیام اور اس کے امور چلانے کے لیے قرآن حکیم نے جن اساسی تصورات کی وقتاً فوقتاً وضاحت کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہی تصورات واحکامات کی روشنی میں ایک مثالی ریاست قائم کی۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کی فکری بنیادیں، مغربی فلسفہ ریاست وسیاست کے برعکس، جہاں ریاست پہلے وجود میں آئی اور نظریات بعد میں تشکیل پاتے ہیں، پہلے سے موجود تھیں اور ریاست بعد میں وجود میں آئی۔ عالمگیر ریاست قائم کرنے اور انسانوں کی طبقاتی تقسیم سے بچنے کے لیے آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست میں افراد معاشرہ میں اتحاد وانجذاب کی بنیاد رنگ، نسل، وطنیت اور قومیت کی بجائے دین کو قرار دیا گیا اور سب سے بڑھ کر معاشرہ کی بنیاد مادیت کی بجائے روحانیت پر رکھی گئی۔(۳)

ریاست مدینہ کا قیام ریاست وسیاست کے بنیادی تصورات اور ان کی عملی تشکیل کی ایک عمدہ مثال ہے اور ان لوگوں کے باطل خیالات کی نفی کرتی ہے جو نظریۂ تفریق دین وسیاست کے قائل ہیں۔

اسلامی نظریہ سیاست میں اخلاق کا کردار

سیاست اور اخلاق کے باہمی تعلق کے حوالے سے بحث کا وجود قدیم وجدید مفکرین سیاست وفلسفہ اجتماعیت کے ہاں ملتا ہے۔ یونانی فکر خاص طور سے اخلاقیات اور سیاسیات کے تعلق اور ان کی باہم اثر پذیری کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ رابرٹ بریفالٹ نے "Ethics and Politics" کے تحت اس حوالہ سے بہت عمدہ بحث کی ہے اور کسی قوم کی اخلاقی حالت (Moral Condition) اور اخلاقی خیالات (Moral Ideas) کے درمیان مطابقت وعدم مطابقت اور سیاست پر اخلاقیات کی جبری برتری کے نکتہ کو اٹھایا ہے۔(۴)

ارسطو اور افلاطون کی سیاسی فکر میں سیاست اور اخلاقیات دو جدا جدا تصورات نہیں بلکہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ ان دونوں حضرات نے عقلی توجیہات کے ذریعے سیاست اور اخلاق کو ملانے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان مفکرین کے نزدیک سیاست اور اخلاق دونوں کا مقصد نیکی، انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی ہے اور اگر اخلاق کو سیاست سے بے دخل کر دیا جائے تو سیاست اپنے مطلوبہ نتائج کسی صورت حاصل نہیں کر سکتی اور سیاست سے اخلاقیات کی بے دخلی کا انجام بھیانک نتائج کی صورت میں نکلے گا۔ نیز اخلاقی آداب کو اپنائے بغیر کوئی بھی حکومت اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ سیاست انسان کے لیے ہے نہ کہ انسان سیاست کے لیے۔ ارسطو اور افلاطون کی اس فکر کو بہت سے مفکرین نے اپنی فکر کا حصہ بنایا اور اس کی شرح وتوضیح میں دلائل وامثلہ سے وضاحت کی لیکن یونانی مفکرین اور دیگر مفکرین میں سے ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہوا جس نے اس نظریہ کو ماننے سے انکار کیا اور سیاست واخلاق کی دوئی کا تصور پیش کرتے ہوئے یہ نکتہ نظر اپنایا کہ یہ دو مختلف تصورات ہیں اور ان کو ایک دوسرے کا محتاج اور ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ تھامس ہابز (۱۵۸۸ء۔ ۱۶۷۹ء) اور میکاوَلی (۱۴۶۹ء۔۱۵۲۷) وغیرہ اس فکر کے نمائندہ مفکرین ہیں۔ خاص طور پر میکاوَلی کے خیالات

"The Prince" کی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔ جبکہ تھامس ہابز کی فکر اس کی کتاب "Leviathan" میں دیکھی جاسکتی ہے۔(۵) سیاست اور اخلاقیات کے باہمی تعلق کے حق میں گفتگو کرنے والے لوگوں کے خیالات "Aristotelian Views" اور سیاست اور اخلاقیات کے تعلق کی نفی کرنے والے لوگوں کے نظریات "Machiavellian Views" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔(۶)

سیاست اور اخلاقیات کے باہمی تعلق کے ضمن میں ایک اہم بحث، جس کا وجود مغربی مفکرین کے ہاں ملتا ہے، اس فکر کے گرد گھومتی ہے کہ اخلاقیات کا ماخذ کیا ہے؟ مغربی مفکرین یہاں بھی مختلف اور متنوع نکتہ ہائے نظر کے حامل ہیں۔ بعض مفکرین اخلاقیات کا ماخذ مذہب کو قرار دیتے ہیں جب کہ کچھ اس کے برعکس اس فکر و خیال کی تائید کرتے نظر آتے ہیں کہ اخلاقیات یا اخلاقی اعمال کی بنیاد مذہب نہیں بلکہ انسانی عقل یا اس (انسان) کے اندر (Inner self) سے اٹھنے والی ایک تحریک ہے جو کہ اخلاقی اعمال کی بنیاد بنتی ہے۔ مذہب کے اخلاقیات کا ماخذ ہونے کے حوالے سے تصور قدیم مفکرین کے ہاں زیادہ پختہ اور واضح ہے لیکن یورپ میں ریاست اور چرچ (State amd Church) کی علیحدگی کے بعد اس تصور میں تیزی سے تبدیلی پیدا ہوئی اور اخلاقیات کو مذہب سے جدا کر کے اس پر ایک مستقل علم کی حیثیت سے بحث کے تصور نے مفکرین کو اپنی طرف راغب کیا۔ لیکن عصر جدید میں بھی مغربی مفکرین کا ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو اخلاقیات کو مذہب ہی سے اخذ کیا ہوا ایک تصور سمجھتا ہے۔ کانٹ (۱۷۲۴۔۱۸۰۴ء) کا نظریہ اخلاق تقریباً دو سو سال پہلے وجود میں آیا اس کی تحریر کے مخاطبین ایسے لوگ تھے جو اخلاقیات کا ماخذ مذہب کو سمجھتے تھے اور اس حوالہ سے کوئی سوال اٹھانا یا اخلاقیات کو مذہب سے جدا کر کے مستقل علم کی حیثیت سے زیر بحث لانا بھی معیوب سمجھتے تھے۔ کانٹ ایک ایسا مفکر تھا جس نے اخلاقیات اور مذہب کے حوالہ سے تطبیقی نکتہ نظر پیش کیا۔(۷)

مغربی مفکرین کا ایک طبقہ ایسا بھی ملتا ہے جو سیاست اور ریاست میں مذہب کے کردار کی نفی کرتا ہے(۸) اور اس نقطہ نظر کا حامل ہے کہ ریاست کے عہد طفولیت یا ابتدائی ریاستوں میں تو مذہب اور اخلاقیات کے زیر سایہ سیاست اور تصور سیاست کی گنجائش موجود تھی لیکن عصر جدید کی ریاستوں نے اس تصور سے آزادی حاصل کر لی ہے۔(۹)

مصنف جے۔ کے بلنچلی (Johann Kasper Bluntschli, 1808-1881) نے اپنی کتاب "The Theory of the Stat" میں یونان، روم، ایران اور عرب میں قائم ہونے والی ابتدائی ریاستوں اور ان میں مذہب کے کردار کے حوالے سے "Theocracy or Ideocracy" کے تحت بحث کی ہے۔ اس بحث کے نتیجہ کے طور پر وہ لکھتا ہے:

In every priesthood there is something effeminate, so that in a

priest-state the many qualities are subordinate to the feminine, and self-confidence and freedom never reach full development.(10)

مسلم مفکرین کی اگر بات کی جائے تو مسلم فکر میں سیاست اور اخلاقیات کے باہمی تعلق اور ان کی اثر پذیری کے تعلق کے حوالے سے کسی قسم کا ابہام نہیں ملتا۔(۱۱) مسلم مفکرین سیاست اور اخلاقیات کو ایک سمجھتے ہوئے ان کی یکجائی پر متفق ہیں اور ان حضرات کے نزدیک "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"(۱۲) ہی بنیادی نکتہ ہے۔ مسلم مفکرین میں سے فارابی (۸۷۰ء۔ ۹۵۰ء)، ابن سینا(۹۸۰ء۔۱۰۳۷ء)، امام غزالی (۱۰۵۸ء۔۱۱۱۱ء)، امام طوسی(۹۹۵ء۔۱۰۶۷ء)، ابن خلدون(م ۱۴۰۶ء)، ابن مسکویہ (م ۱۰۳۰ء) اور شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) نے سیاست اور اخلاقیات کو نہ صرف موضوع بحث بنایا ہے بلکہ صالح معاشرے کے قیام کی بنیادی اکائی ہی اس تعلق اور اس کی اطلاقی کیفیت کو قرار دیا ہے۔ ابن مسکویہ کے نزدیک فلسفہ، سیاست، شریعت اور تاریخ کا بنیادی مقصد دنیا اور آخرت میں بندگان خدا کے مصالح کی رعایت ہے۔ موصوف نے انصاف کی فراہمی و فراوانی، اجتماعی امن کا قیام، شہروں کا قیام اور آبادکاری، انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تحفظ، ظلم و فتنہ کی بیخ کنی اور اجتماعی مفادات کا تحفظ اور افراد معاشرہ کے لیے اسباب معیشت وغیرہ کی فراہمی کو ہی اصل یعنی سیاست فاضلہ قرار دیا ہے۔(۱۳)

نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ کی صورت میں ایک ایسا معاشرہ قائم کیا تھا جس کی اساس و بنیاد اخلاقی اصولوں کی پیروی پر اٹھائی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے جسموں پر حکمرانی کرنے کی بجائے اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اپنے عملی اخلاقی نمونہ کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اسیر کیا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی طرز عمل کو اپنایا۔ لیکن صد افسوس کہ بعد کے ادوار میں مسلم معاشروں کے اندر اخلاقی اقدار اور سیاسی اصولوں کے درمیان مطابقت کی صورت برقرار نہ رہ سکی اور طریق نبوت اور طرز صحابہ سے انحراف کی مختلف صورتیں عام ہو گئیں۔(۱۴) نیز حکمران طبقہ اپنے ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کی تسکین کے تحت ہوس اقتدار میں مبتلا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست مدینہ جیسی صورت و کیفیت پھر کبھی پیدا نہ ہو سکی۔ اصغر علی انجینئر (م ۲۰۱۳ء) اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

The Prophet's whole efforts were directed at creating a value-based society rather than controlling political power. The four Caliphs tried to maintain this tradition but umayyads were mainly concerned with political power, not with quality of the society. The Islamic world thereafter never saw a period where the main concern was creating a moral society but to capture and retain power for one's own dynasty.

Such states cannot be characterized as "Islamic State" by any stretch of imagination.(15)

ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی (پ ۱۹۴۴ء) بھی اسی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلامی عہد کے صدر اول میں سیاسی خدمت عملاً بھی دین ہی شمار ہوتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد کے مسلم حکمرانوں نے اپنے شخصی مفادات، گروہی تعصبات اور غیر مذہبی رجحانات کے سبب دین و سیاست کے درمیان تفریق کی دیوار کھڑی کر کے اسلامی نظریہ سیاست کو نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ اسے ناقابل اصلاح نقصان بھی پہنچایا۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ خیر و برکات میں بہر حال دین و سیاست، مذہب و حکومت اور اسلام و ریاست باہم اس طرح ایک دوسرے سے وابستہ تھے کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔"(۱۶)

اخلاقیات اور سیاسیات کا تعلق بہت گہرا ہے اخلاقی اقدار سے عاری سیاست کسی بھی معاشرہ کے لیے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول مولانا مودودی (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) "اخلاقیات و سیاسیات دونوں توام ہیں اور دونوں میں ایسا ربط ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ علم الاخلاق افراد کے باہمی تعلقات اور رابطوں سے بحث کرتا ہے اور علم سیاست افراد و جماعات کی تنظیم سے، دونوں قدم قدم پر ایک دوسرے سے مدد لیتے ہیں اور معاملات میں اکثر ان کو ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔"(۱۷) اس لیے سیاست اور اخلاق کے تعلق کو اگر وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو اسے فلسفہ اجتماعی کا نام بھی دیا جا سکتا ہے اور اگر محدود معنوں میں بھی لیا جائے تو پھر بھی ان کی ایک دوسرے سے قربت محتاجِ بیان نہیں۔(۱۸)

افلاطون کے نزدیک کسی بھی جماعت کے لیے اخلاقی پستی سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نظام سیاست ایک بلند معیار پر قائم ہو۔ افلاطون (B.C.E۳۴۸) نے اپنی خیالی حکومت کو چار بنیادوں: ۱۔ حکمت ۲۔ شجاعت ۳۔ عفت اور عدالت پر قائم کیا ہے۔(۱۹) افلاطون کے ان چار اصولوں کو "امہات فضائل" قرار دیا گیا ہے۔(۲۰)

انسانی زندگی میں اخلاق کی ضرورت واہمیت اور اثر پذیری سے انکار ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام ادیان و مذاہب اور اقوام و ملل کے زعماء و حکماء کے ہاں اس کی اہمیت مسلمہ رہی ہے۔(۲۱) تاریخ انسانی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان نے غار کی زندگی سے آغاز کیا اور آج مادی ترقی کی معراج تک پہنچ چکا ہے لیکن اس تمام عرصہ و زمانہ میں جس چیز سے وہ صرف نظر نہ کر سکا اور نہ ہی اپنا دامن چھڑا سکا وہ اعمال کے حسن و قبح کے معیار کا اخلاقی پیمانہ ہے۔ وہ حقیقی معیار جس سے انسانی ترقی کی قدر و قیمت ہمیشہ، بعض گروہوں، طبقات اور مفکرین کو چھوڑ کر،

جانچی گئی وہ مفکرین کے نزدیک صرف اخلاقی معیار ہی ہے۔

ڈاکٹر منظور احمد لکھتے ہیں:

"اخلاقیات ہر قسم کے قوانین کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے ناگزیر ہے اور کوئی قانون اخلاق کی عدالت کی منظوری کے بغیر قانون کہلانے کا مستحق نہیں قرار پاتا۔"(۲۲)

اسی طرح رابرٹ بریفالٹ نے لکھا ہے کہ:

The real standard by which the worth of the human world is to be truly computed is a moral standard.(23)

البتہ اخلاقیات کا ماخذ، اخلاقیات کی پشت پر قوت نافذہ، اخلاقی جدوجہد کا مقصود، غایت، علم الاخلاق کے مقاصد اور ان میں معروضی حالات کے پیش نظر تبدیلی اور محاسن اخلاق کے ارکان و وسائل جیسے معاملات میں اختلاف ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس حوالے سے بہت عمدہ گفتگو کی ہے انہوں نے بھی محاسن اخلاق کے چار بنیادی رکن قرار دیئے ہیں جن میں (۱) عدالت (۲) شجاعت (۳) عفت (۴) اور حکمت وغیرہ شامل ہیں۔(۲۴)

پاکستانی معاشرہ میں سیاست اور سیاستدان

سیاسی پارٹیوں اور سیاسی رہنماؤں کا وجود دور جدید کے ہر معاشرہ میں پایا جاتا ہے پاکستان میں بھی سیاست کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے لیکن ماضی اور خاص طور پر موجودہ پاکستانی سیاست یا سیاسی کلچر کا المیہ یہ ہے کہ اس میں اخلاقیات کا شدید فقدان دکھائی دیتا ہے۔ پاکستانی سیاست اور سیاست دانوں کی اخلاقیات کا احوال ان چند کتابوں سے باآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے جو پاکستانی سیاسی تاریخ کے حوالے سے مرتب کی گئی ہیں ان کتابوں میں۔ ۱۔ سیاست کے فرعون (وکیل انجم) ۲۔ ایک سیاست کئی کہانیاں (رؤف کلاسرا) ۳۔ مذہبی سیاست کے تضادات (سہیل وڑائچ) ۴۔ پاکستان کے متنازعہ سیاستدان (مجاہد حسین) ۵۔ پاکستان ۔ فوج اور ملاؤں کے درمیان (حسین حقانی) ۶۔ پاکستان کے سیاسی وڈیرے (عقیل عباس جعفری) ۷۔ پاکستانی ریاست اور اس کا بحران (حمزہ علوی) ۸۔ جمہوریت، پارلیمینٹ اور اسلام (پروفیسر خورشید احمد) ۹۔ ایک قتل جو ہو نہ سکا (رؤف کلاسرا) ۱۰۔ چھوٹے صوبے پنجاب سے ناراض کیوں (سہیل وڑائچ) Friends not Masters (M.Ayub Khan) اور Not the whole truth (Justice, M.R. Kayani) وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستانی سیاست میں اخلاقی پہلو کے اطلاق کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو اس ضمن میں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً پاکستانی سیاست میں درج ذیل غیر اخلاقی پہلوؤں کی جھلک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے:

۱۔ غیر مہذب زبان کا استعمال۔ جس کی امثلہ حالیہ عام انتخابات (۲۰۱۸ء) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۲۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ایک دوسرے کی کردار کشی اور ذاتیات پہ کیچڑ اچھالنا۔(۲۵)

۳۔ ایک دوسرے کے لیے عجیب وغریب، گھٹیا اور بازاری اصطلاحات کا استعمال۔

۴۔ سیاسی قیادت کا ایک دوسرے کو مضحکہ خیز ناموں سے پکارنا۔

۵۔ قومی لیڈران کے قول وفعل میں تضاد۔

۶۔ سیاسی اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے جائز وناجائز ہتھکنڈوں کا استعمال۔

۷۔ زبان درازی کے ساتھ ساتھ ہاتھ پاؤں اور کرسیوں کا آزادانہ استعمال۔

۸۔ پارٹی قیادت کے ہر جائز وناجائز کام کی حمایت فرض سمجھنا۔

۹۔ خدا اور عوام الناس کے سامنے جواب دہ ہونے سے زیادہ اپنے آپ کو پارٹی سربراہ کے سامنے جواب دہ سمجھنا۔

۱۰۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے مذہب کارڈ کا استعمال۔[۲۶] یہاں تک کہ بعض سیاستدانوں کی جانب سے سیاسی مخالفین پر توہین رسالت کا الزام لگانے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

۱۱۔ دھرنوں، احتجاج اور محاذ آرائی کی سیاست کو اپنانا۔

۱۲۔ علاقائی عصبیت اور مقامی سیاست کی بنیاد پر ملکی مفاد کے بڑے منصوبوں کی مخالفت کرنا۔

۱۳۔ لسانی وعلاقائی تعصبات کو ہوا دے کر سیاسی مفادات کا حصول۔

۱۴۔ عوام الناس سے خود کو الگ اور برتر سمجھتے ہوئے پروٹوکول کا تقاضا کرنا۔

۱۵۔ ذاتی وسیاسی مقاصد کے حصول کے لیے پارٹیاں تبدیل کرنا۔

۱۶۔ موروثی سیاست کی حمایت اور فروغ نیز پارٹی کو شخصیات کی لونڈی سمجھنا۔

۱۷۔ وزارتوں کی بندر بانٹ، میرٹ اور اہلیت پر عہدہ دینے کی بجائے ذاتی تعلقات کی بنیاد پہ لوگوں کو نوازنا/اقرباء پروری وغیرہ۔

۱۸۔ حکومت کے جائز کام کو بھی حزب اختلاف کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا جانا اپنا فرض عین سمجھنا۔

۱۹۔ جمہوریت کے نام پہ قائم سیاسی جماعتوں میں خود جمہوریت اور جمہوری فکر کا فقدان ہونا۔

۲۰۔ سیاست دانوں کا قبضہ مافیا اور جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرنا اور بھتہ کی صورت میں مالی حصہ وصول کرنا۔

۲۱۔ عہدوں اور اقتدار کی ہوس میں قانونی واخلاقی حدود کو پامال کرنا۔

۲۲۔ اداروں کو مضبوط کرنے کی بجائے فرد واحد کی ذات میں اختیارات کا ارتکاز۔

۲۳۔ سیاست کو طاقت واقتدار کے حصول کا ذریعہ سمجھنا وغیرہ۔

مندرجہ بالا چند مثالیں ہیں جن میں اخلاقیات کا زوال اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔

منفی سیاست کے اثرات و نتائج: اخلاقی انحطاط

پاکستانی معاشرہ میں اخلاقی انحطاط کے محرکات کا اگر جائزہ لیں تو سیاسی کلچر اور سیاستدانوں کے مذکورہ بالا رویے اس حوالے سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی سیاسی قیادت اس معاشرے کے عروج وزوال میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر قیادت صالح، اہل اور ایمان دار ہو گی تو معاشرہ ترقی کرے گا اور اگر یہی قیادت بد دیانت، نااہل اور ذاتی مفادات کی اسیر ہو گی تو زوال متعلقہ قوم سے کسی صورت نہیں ٹل سکتا۔ سیاسی قیادت کی کمزور اخلاقیات پورے معاشرے کے لیے ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنتی ہے سیاست اور اخلاقیات کی عدم مطابقت کسی بھی معاشرے کے لیے نتائج کے اعتبار سے بہت بھیانک صورتِ حال پیدا کرتی ہے۔ سیاست دان اور سیاسی جماعتیں اپنے کارکنوں کے لیے نرسری کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن یہی سیاستدان جب سیاست کے میدان میں اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہیں تو عوام الناس کے لیے اخلاقی اقتدار کی پیروی و اتباع کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا تھا: انما الاخلاق بالاحوال لا بالعلوم (۲۷) یعنی "اخلاق کی تشکیل میں احوال کو اساسی اہمیت حاصل ہے نہ کہ علم و تعلم کو۔"

لیڈران قوم جب اپنے قول و فعل اور کردار و عمل میں جائز و ناجائز، حلال و حرام اور تہذیب و شائستگی کا لحاظ نہیں رکھتے تو عوام بھی ان کے نقش قدم پہ چلتی ہے۔ بقول مولانا مودودیؒ:

> "اب جو طاقتیں یہاں قیادت کے منصب پر فائز ہیں وہ ہر طرف سے اس کو برائیوں کی طرف دھکیلنے اور بھلائیوں سے روکنے میں لگی ہوئی ہیں۔ تعلیم کی طاقت، نشر و اشاعت کی طاقت، قوانین کی طاقت، معاشی نظام کی طاقت، سیاسی اقتدار کی طاقت، نظم و نسق کی طاقت اور دوسری (بہت) ساری طاقتیں زیادہ تر اس کو بگاڑنے میں مصروف ہیں اور جو قوتیں اسے بنانے اور سنوارنے کے لیے کام کر رہی ہیں ان کے وسائل اور ذرائع بگاڑنے والی طاقتوں کے وسائل وذرائع کے مقابلے میں ایک اور ہزار کی نسبت سے بھی کم ہیں۔"(۲۸)

خصوصاً پاکستانی نوجوان طبقہ اس ساری صورت حال سے بُری طرح متاثر نظر آرہا ہے سوشل میڈیا پہ اس طوفان بدتمیزی کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ پٹواری، یوتھیا اور جیالا جیسی اصطلاحات زبان زدِ عام ہیں ہمارے نوجوان طبقہ کی اخلاقی پستی زوال کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ وابستگی اور اپنے سیاسی قائدین کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے یہ طبقہ بھی وہ تمام اخلاقی برائیاں کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا جو ان لوگوں کے سیاسی لیڈران کرتے دکھائی دیتے ہیں ان لوگوں کے ذہن میں سیاست مکر و فریب، مطلب پرستی، دوسروں کے حقوق پر دست درازی، کمزوروں پر طاقت وروں کے تسلط اور محض حصول اقتدار کا نام ہے ان کے نزدیک انسانی اصولوں اور اخلاقی اقدار کا کوئی وزن نہیں نیز ان کا نظریۂ سیاست، میکاؤلی نظریہ سیاست پر مبنی ہے۔

میکاؤلی (۱۴۶۹۔۱۵۲۷) نے اپنی مشہور کتاب "The Prince" میں حکومت اور اخلاقیات میں عملی طور پہ مکمل علیحدگی کا نظریہ اختیار کر کے بنیادی طور پر اخلاقی اصولوں سے سیاست کی آزادی کا اعلان کر دیا تھا اس کے نقطۂ نظر کے مطابق امور سلطنت میں اخلاقی اصولوں کے نفاذ کی قطعی ضرورت نہیں۔

بعض مفکرین نے میکاؤلی کے نظریۂ سیاست کی مختلف توجیہات و تاویلات پیش کر کے اس کے نظریہ سیاست کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ رابرٹ بریفالٹ کا شمار بھی ایسے لوگوں میں ہوتا ہے، موصوف میکاؤلی کی کتاب "The Prince" کو مخصوص زمانہ کے احوال و حکمت عملی کے بیان تک محدود سمجھ کر میکاؤلی کے نظریہ سیاست کی محدودیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ رابرٹ کے نزدیک سیاسی ظلم و ستم، بدمعاشی اور دھوکہ دہی و شاطرانہ طریقوں (Political rascality and unscrupulous fraudulence) سے اقتدار پر قبضہ کرنے کے حوالے سے میکاؤلی کا نام غیر منصفانہ طور پر (Unjustly) معروف ہو گیا ہے۔ وہ اب دھوکہ اور فریب کے اصولوں کا بانی سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کی کتاب اس کے دور کے مروجہ اطالوی حالات کے بیان کے سوا کچھ بھی نہیں اگر وہ خود جان لیتا کہ اسے سیاسی دھوکہ دہی کے نظریہ کا بانی Theorist of Political (Perversity) قرار دیا گیا ہے تو وہ بہت حیرت زدہ ہوتا۔ تمام یورپی طاقتوں نے فریڈرک آف پرشیا (Frederic of Prussia) کی طرح میکاؤلی کے اصول کو صدقے کا بکرا (Scapegoat) قرار دے کر اس سے لاتعلقی اور نفرت (Disowned and Denounced) کا اظہار تو کیا ہے لیکن بنیادی طور پر عمل اس اصول پر نہایت سرگرمی سے کیا ہے۔[۲۹]

اخلاقی انحطاط کے تدارک کے لیے تجاویز

سیاست دانوں کے مندرجہ بالا منفی رویوں اور ان کے اثرات سے ہونے والے اخلاقی انحطاط سے بچاؤ اور تدارک کے لیے پاکستانی معاشرہ کے تناظر میں مندرجہ ذیل تجاویز اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ اسلام کا تصور ریاست و سیاست اصل شکل میں پیش کرنے کی ضرورت ہے جو کہ سیاست اور اخلاقیات کا حسین امتزاج ہے۔ ہماری ناکامی کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم مذہب اور دنیاوی و سیاسی معاملات میں ربط پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

۲۔ پیغمبر کا سیاسی اسوہ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سیاسی طرزِ عمل کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ میکاؤلی سیاست اور سیاست شرعیہ کے فرق کو واضح کرنے اور عوام الناس کو سیاست شرعیہ کے خصائص و امتیازات کو ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے۔

۴۔ سیاست کو عبادت اور خدمت خلق کے بنیادی تصور سے جوڑ کے پیش کیا جائے نہ کہ مناصب اور مفادات کے حصول کا ذریعہ و آلہ۔

۵۔ سیاستدانوں کے لیے مخصوص درجہ تک تعلیم کا حصول ضروری قرار دیا جائے۔

۶۔ الیکشن میں حصہ لینے کے عمل کو آسان اور کم خرچ بنایا جائے تاکہ پڑھے لکھے اور مالی اعتبار سے کمزور افراد بھی الیکشن میں حصہ لے سکیں۔

۷۔ حکمرانی کے اخلاق و آداب سے متعلق مسلم مفکرین کی کتابوں کا اردو ترجمہ کر کے عوام الناس تک پہنچائی جائیں۔

۸۔ فرد کی تربیت اور شخصیت سازی کے لیے جامع حکمت عملی وضع کی جائے کیونکہ افراد سے معاشرہ بنتا ہے اور سیاستدان بھی معاشرے کے افراد اور اس کا عکس ہوتے ہیں۔

۹۔ معاشرتی اداروں کو مضبوط کیا جائے کیونکہ ہمارے ہاں سیاسی افراتفری اور اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والے اخلاقی انحطاط کی ایک وجہ معاشرتی اداروں کا غیر مستحکم ہونا ہے۔

۱۰۔ براہ راست سیاسی مباحثے (Live Political Talk Shows) پر پابندی عائد کی جائے اور ایسے ٹی وی پروگرامز کو ضابطۂ اخلاق کا پابند کیا جائے۔

۱۱۔ سیاسی جماعتوں کے لیے ضابطہ اخلاق مقرر کیا جائے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کروایا جائے۔

۱۲۔ ریاست مدینہ کو رول ماڈل بنانا ایک اسلامی ریاست کا مطمع نظر ضرور ہونا چاہیے لیکن یہ خواب صرف اسی صورت شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے جب اس ریاست کی انتظامی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھ میں ہو جو اپنے کردار و عمل، قول و فعل اور معاملات و اخلاق کے حوالے سے ریاست مدینہ کے انتظامی عہدوں پر فائز رہنے والے افراد کی پیروی و اقتدا کریں۔

۱۳۔ نوجوان نسل کے قلب و ذہن میں اسلام کے بنیادی تصورات کی پختگی اور حقانیت کو راسخ کیے بغیر اخلاقی عمارت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ بنیادی تصورات اسلام کو نسل نو کے قلب و ذہن اور دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔

۱۴۔ عدل و انصاف، امانت و دیانت اور بے لاگ احتساب کی روایت کو جب تک معاشرے میں پروان نہیں چڑھایا جائے گا تب تک پاکستانی معاشرہ کا سیاسی کلچر اخلاقیات سے عاری ہی رہے گا کیونکہ سیاست دان فرشتے نہیں بلکہ اسی معاشرے کی پیداوار اور عکس ہیں۔

مندرجہ بالا تجاویز کے اطلاق کی صورت میں یقیناً امید کی جا سکتی ہے کہ پاکستانی سیاسی کلچر میں تبدیلی پیدا ہو گی اور سیاست کی ایک ایسی روایت قائم ہو گی جو ذاتی مفادات، نفسانی خواہشات اور عہدہ و مال و متاع کی ہوس کے بغیر محض خدمت خلق و خدمت انسانیت کے گرد گھومے گی اور اخلاقی انحطاط کی بڑھوتری کی بجائے لوگوں کے لیے اخلاقیات کے قابل قدر اور قابل تقلید نمونے قائم کرے گی۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مودودی، سید، ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، لاہور، ادارۃ ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۰۰ء، ص ۱۵۔۴۱/ اسی بحث کو مولانا امین اصلاحی نے قدرے مختلف الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔ دیکھئے: اصلاحی، امین احسن (م ۱۹۹۷ء)، اسلامی ریاست، لاہور، دار التذکیر، ۲۰۰۶ء، ص ۲۳۔۲۹/ تقی عثمانی، مفتی (پ ۱۹۴۳ء)، اسلام اور سیاسی نظریات، کراچی، مکتبۃ المعارف، ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۱۔۱۷۲

۲۔ حامد الانصاری، غازی، اسلام کا نظام حکومت، لاہور، مکتبۃ الحسن، س۔ن، ص ۱۴۲

۳۔ نثار احمد ()، ڈاکٹر، عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، لاہور، نشریات، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۴۔۱۰۵

4. Robert Briffault (D. 1948), The making of Humanity, New York, Cornel University Library, 1919, p. 294-297

5. Thomas Hobbes, Leviathan, Globaligrey, 2019, Pages 593

6. Okorie Ogbonnaya Okomba, The Ethical Implication of Separating morality from politics, taking a cue from Machiavellian political ideas and the Nigerian political experince. Unpublished thesis of Master, Centre for applied Ethics LinkopingsUniversity, Sweden, 2006.

7. Immanuel Kant (1724-1804), Groundwork for the Metaphysics of morals, Edited and Translated by Allen W. Wood, Yale University Press, London, 2002, pp. 83-91, 157-182

8. Encyclopedia of Religion:"کا مقالہ نگار Max L. Stack House:اس حوالہ سے لکھتا ہے

The Modern Western privatization of religion and the idea of the "separation of church and state" have convinced many that politics and religion do have, and should have, little to do with one another. Please see:

Mircea Eliade (Editor in Chief), Encyclopedia of Religion, New York, Macmillan Publishing Company, 1987. P 408/ Wael B. Hallaq (B.1955) The impossible state, Columbia University Press, New York, 2013, P. 118

۹۔ یہ مصنف کی ذاتی رائے اور خیال تو ہو سکتا ہے جس سے کسی حد تک اتفاق بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ چرچ اور ریاست کی علیحدگی کے باوجود بھی بیسویں صدی اور عصر حاضر تک مذہب سیاست کی تشکیل کے حوالہ سے ایک بنیادی عنصر رہا ہے۔

10. Bluntschli, Johann Kaspar (1808-1881), The Theory of the State, Batoche Books, Kitchener, Canada, 2000, P. 292

۱۱۔ البتہ معروف عالم شیخ علی عبد الرازق (۱۸۸۸۔۱۹۶۶ء) اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے خیالات و نظریات کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان کے ہاں اسلام کے سیاسی نظام کی مختلف تعبیرات اور نظریہ تفریق دین وسیاست کی جھلک واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے افکار و نظریات اور ان کی کتاب کے متن کے تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھئے: محمد عمارۃ، الاسلام واصول الحکم لعلی عبد الرازق، دراسۃ ووثائق، بیروت، المؤسسۃ العربیۃ الدراسات والنشر بیروت، مکتبۃ الاسکندریہ ۲۰۰۰ء

صفحات ۱۹۲ / سرسید کو بھی بعض حضرات نے اسی فہرست میں شامل کیا ہے۔ دیکھئے: رشید احمد، پروفیسر، مسلمانوں کے سیاسی افکار، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰ء، ص ۲۶۱۔

۱۲۔ محمد اقبال (م ۱۹۳۸ء)، کلیات اقبال اردو، مع اشاریہ و کشف الابیات، مرتب: احمد رضا، ادارہ اہل قلم، ۳/ ۱۰ ہما بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، ص۔ ۳۷۴

۱۳۔ مسکویہ، احمد بن محمد بن یعقوب (م ۴۲۱ھ)، تہذیب الاخلاق، دراسۃ و تحقیق، عماد الھلالی، بیروت منشورات الجمل، ص ۲۱۹۔۲۲۰

۱۴۔ ایک (بظاہر) اسلامی حکومت کے طریق نبوت و سنت سے انحراف کے مختلف درجوں اور صورتوں کی وضاحت وتفصیل کے لیے دیکھئے، اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست، صفحات ۲۴۰۔۲۵۳

15. Asghar Ali Engineer (D. 2013), Islam: Misgivings and History, New Delhi, Vitasta Publishing Pvt. 2008, P. 75

۱۶۔ صدیقی، یٰسین مظہر، پروفیسر (پ ۱۹۴۴ء)، عہد نبوی ﷺ کا نظام حکومت، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، ۱۹۹۴ء، ص۔ ۹۱ / مزید دیکھئے: محمد ارشد، اسلامی ریاست کی تشکیل جدید، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۱ء، ص ۴۷۔۵۱

۱۷۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ (م ۱۹۷۹ء)، تفہیم احکام القرآن، مرتبہ سید عبد الوکیل، ادارۃ معارف اسلامیہ، منصورہ، لاہور

۱۸۔ صلاح الدین سلجوقی، مقدمہ علم اخلاق، مطبعۃ عمومی کابل ۱۳۳۱ش، ص ۶۰

۱۹۔ حکمت: نفس کی اس حالت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام اختیاری امور میں خطاء وثواب کے درمیان تمیز کرتا ہے۔

شجاعت: قوت غضب کے بروئے کار آنے نہ آنے میں عقل کے تابع ہونے کا نام ہے۔

عفت: قوت شہوت کا عقل وشرع کے زیر تربیت وزیر فرمان ہو کر مہذب و درست کار ہونے کا نام ہے۔

عدل: نفس کی اس قوت وحالت کو کہتے ہیں کہ جس سے غضب و شہوت کو صحیح تدبیر کی زنجیروں میں جکڑا جائے اور حسب

تقاضا و حکمت و عقل ان کو استعمال میں لایا جائے۔ (دیکھئے: سیوہاروی، محمد حفظ الرحمن (م ۱۹۶۲ء)، اخلاق و فلسفہ اخلاق، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۷۶ء ص ۴۵۱)۔

۲۰۔ افلاطون نے ان فضائل کو کہیں یکجا بیان نہیں کیا بلکہ اس کی ذات و افکار پر لکھنے والے حضرات نے ان چیزوں کو اس فکر و خیال سے اخذ کیا ہے جو کہ مکالمات کی شکل میں اس کی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔ افلاطون کے سیاسی افکار کے مطالعہ کے لیے دیکھئے:

(i) Plato's The Republic, Translated into English by Benjamin Jowett,(۱۸۱۷-۱۸۹۳) New York, INC. Pages- 367

(ii) J.W. Skemp, Plato's Stateman, London, Routledge&Kegan Paul. 1963, Page-244

(iii) George H. Sabine, A History of Politcal Theory, Henry Holt & Company New York, 1947,Page-35-87

۲۱۔ قدیم فلسفیانہ اخلاقی نظریات کے لیے دیکھئے: ڈار، بشیر احمد، حکمائے قدیم کا فلسفہ اخلاق، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۵ء، صفحات ۵۰۴

۲۲۔ منظور احمد، ڈاکٹر، قانون، مذہب اور اخلاقیات، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱

23. Robert Briffault (D. 1948), The making of Humanity, New York, Cornell University Library, 1919, P. 259-266.

۲۴۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم احکام القرآن، ۱/ ۴۲۴

۲۵۔ سیاسی مخالفین کی ذاتیات پر کیچڑ اچھالنا اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے گھر کی خواتین پر الزامات دھرنے کا رجحان پاکستانی سیاست میں نیا نہیں۔ لیاقت علی خان کے سیاسی مخالفین نے انہیں سیاسی طور پر کمزور کرنے اور ذاتی طور پر پریشان کرنے کے لیے اس حربہ کو استعمال کیا اور ان کی بیوی پر غیر مناسب الزام لگایا۔

۲۶۔ شہاب نامہ از قدرت اللہ شہاب ادب کا شاہکار ہونے کے علاوہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے ایک اہم دستاویز بھی ہے۔ مذہب کارڈ کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں پاکستان کی سیاسی تاریخ میں مذہب کے منفی استعمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں- دیکھئے: قدرت اللہ شہاب (۱۹۸۶ء)، شہاب نامہ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص ۷۸۰

۲۷۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/ ۵۵

۲۸۔ مودودی، سید، ابو الاعلیٰ، تفہیم احکام القرآن، ۱/ ۴۲۴

29. Robert Briffault (D.1948), The making of Humanity, New York, Cornell University Library, 1919, P. 244-245.